مشاورت اور استخارہ

سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

مشاورت اور استخارے کا فلسفہ، مشورہ کے آداب، استخارہ کے پیچھے کارفرما پس منظر،
استخارہ کے مروجہ طریقے اور حقائق، اور استخارہ کے مسنون طریقہ پر جامع اور بصیرت انگیز گفتگو



تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی و جامعہ اویس قرنی

مشاورت اور استخارہ

سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی و جامعہ اویس قرنی

فہرست عنوانات

خطبہ مسنونہ 5

حرفِ آغاز 7

انسانی زندگی اور باہمی احتیاج 7

مشورہ اور استخارہ کا فرق 8

مشورے کے لیے ذہنی آمادگی 9

مشورے کے لیے ظرف کی وسعت 9

مشاورت میں متعلقہ شعبے کے ماہرین سے رجوع 11

اپنے سے چھوٹوں سے مشورہ: ایک نبوی سنت 14

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بصیرت انگیز رائے پر حضور ﷺ کا عمل 15

مشورہ اور حکم میں فرق 16

استخارہ: ربِ کائنات سے خیر کی طلب 18

جاہلانہ فال سے نبوی رہنمائی / استخارے تک 19

استخارہ خود کرنے کی اہمیت اور آداب 20

اسلامی انفرادیت اور خود اعتمادی 21

استخارہ کا وقت اور تعداد 22

خوابوں کی حقیقت اور استخارے کا مسنون طریقہ 23

استخارہ کی مسنون دعا اور اس کا مفہوم 24

استخارہ کے بعد کی قلبی کیفیت اور رضائے الٰہی 26

شرحِ صدر اور توقف کی حکمت 27

حقیقی خیر اور الٰہی دانش 28

فوری ضرورت کے لیے مختصر استخارہ 29

کامیاب زندگی کے دو ستون: استخارہ اور مشورہ 30

خطبہ مسنونہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰى،أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ-

{ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ }

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ.{: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ}

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، وَقَالَ: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ-

صَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ-

ترجمہ آیت 1: اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

ترجمہ آیت 2: اور ان سے معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ترجمہ حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام معاملات میں استخارہ کرنا اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی سورت سکھایا کرتے تھے۔

حرفِ آغاز

انسانی زندگی اور باہمی احتیاج

اللہ رب العزت نے انسان کو اس دنیا میں محتاج بنا کر بھیجا ہے۔ یہ انسان بظاہر دیکھنے میں تو قدرت کا ایک چلتا پھرتا کارخانہ نظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر وہ دوسرے انسانوں اور دنیا کی دیگر چیزوں کا محتاج ہے۔ دنیاوی معاملات کو سلجھانے اور اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ لوگوں سے کچھ سیکھے، ان کی باتوں کو توجہ سے سنے اور پھر ان کی روشنی میں اپنے کاموں کو انجام دے۔

چونکہ انسان اس دنیا میں رہ رہا ہے، اس لیے اسے قدم قدم پر مختلف معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے کاروبار کرنا ہے، ملازمت اختیار کرنی ہے، تجارت کے فیصلے کرنے ہیں یا شادی بیاہ جیسے اہم معاملات طے کرنے ہیں۔ زندگی کے ان تمام شعبوں میں جب اسے کوئی قدم اٹھانا ہو یا آگے بڑھنا ہو، تو شریعتِ مطہرہ نے اسے دو بنیادی چیزوں کی ترغیب دی ہے: پہلی چیز 'مشورہ' ہے اور دوسری 'استخارہ'۔

مشورہ اور استخارہ کا فرق

مشورے کا مفہوم یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان سے اس کی رائے لی جائے، جبکہ استخارے کا مطلب ہے اللہ رب العزت سے رائے اور خیر طلب کرنا۔ انسان اپنے مخلص دوستوں، اہلِ بصیرت اور متعلقہ شعبے کے ماہرین سے مشورہ کرتا ہے، جبکہ استخارے کے ذریعے ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی درخواست کرتا ہے۔ لفظ 'استخارہ' کے معنی ہی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے 'خیر' طلب کی جائے۔ دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے، چاہے وہ دنیاوی ضرورتیں ہوں یا دینی، ان دونوں عملوں کی اہمیت ناگزیر ہے۔

شریعت نے سب سے پہلے مشورے کی ترغیب دی ہے اور اصول یہ ہے کہ مشورہ استخارے سے پہلے ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے استخارہ کر لیا جائے اور پھر مشورہ کیا جائے، بلکہ ترتیب یہی ہے کہ پہلے مشورہ ہو اور پھر استخارہ۔ اگرچہ کسی وجہ سے کوئی شخص پہلے استخارہ اور بعد میں مشورہ کر لے تو وہ بھی درست ہے، لیکن بہتر اور افضل طریقہ یہی ہے کہ مشورہ پہلے کیا جائے کیونکہ یہ انسانوں، بزرگوں اور اہل عقل و دانش سے ہوتا ہے، اس کے بعد اللہ کی طرف رجوع کر کے استخارہ کیا جائے۔

مشورے کے لیے ذہنی آمادگی

مشورہ لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سامنے والے کی رائے کو اہمیت دے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب انسان خود کو 'عقلِ کل' نہ سمجھے۔ وہ یہ نہ گمان کرے کہ جو کچھ میں سوچ رہا ہوں بس وہی حرفِ آخر ہے، یا میری رائے ہی پتھر پر لکیر ہے۔ جس شخص کے ذہن میں یہ تکبر ہو کہ وہ خود ہی سپریم ہے اور اس کی بات ہی حتمی اور اٹل ہے، وہ کبھی صحیح معنوں میں مشورے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس دنیا میں دوسروں کی رائے لینے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اور اہل عقل و دانش اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا کتنی بڑی حکمت ہے۔

مشورے کے لیے ظرف کی وسعت

کسی سے مشورہ لینے کے لیے سب سے پہلے اپنے 'ظرف' کو خالی کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر ایک گلاس پہلے ہی اوپر تک پانی سے بھرا ہوا ہو اور کوئی شخص اس میں مزید پانی انڈیلے، تو ظاہر ہے وہ پانی باہر گر جائے گا کیونکہ گلاس میں جگہ ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "مجھے سب معلوم ہے، مجھے کسی کی رائے،

دانش مندی یا مشورے کی ضرورت نہیں"، تو ایسا شخص کسی کے مشورے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسروں کی رائے سننے اور اسے جذب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی بات کو 'حرفِ آخر' نہ سمجھے۔ مشورہ لینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ اپنی مرضی ختم کر دیں؛ فیصلہ کرنا آپ کا اپنا اختیار اور صوابدید ہے، آپ چاہیں تو سامنے والے کی بات مانیں یا نہ مانیں، لیکن مشورہ ضرور لینا چاہیے۔

مشورے کی اس اہمیت کی ترغیب خود قرآنِ مجید نے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو دی ہے، اور جس موقع پر یہ حکم دیا گیا وہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ غزوہِ احد کے موقع پر، جب بعض صحابہ سے بشری تقاضے کے تحت ایک نادانی میں چوک ہو گئی تھی اور انہوں نے اس جگہ کو چھوڑ دیا تھا جہاں قیام کا حکم تھا، تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے پیچھے سے پلٹ کر وار کر دیا جس سے ستر کے قریب صحابہ شہید ہوئے اور خود حضور ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔

اتنی بڑی آزمائش اور جانی نقصان کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل

ہوا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور آپ معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے)۔ آپ ﷺ تو اللہ کے نبی تھے، سب باتیں درست تھیں، لیکن حکم یہی دیا گیا کہ ان صحابہ کو رائے لینے میں اپنے ساتھ شریک کیجیے۔ فیصلہ کرنا آپ ہی کا کام ہے، لیکن مشورہ ان سے ضرور لیں۔ اسی طرح جہاں قرآنِ کریم نے ایمان والوں کی صفات اور خصوصیات بیان کی ہیں، وہاں فرمایا: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)۔ وہ گھرانے، وہ دفاتر اور وہ جگہیں ہمیشہ کامیاب رہتی ہیں جہاں معاملات کو باہمی مشاورت سے خوش اسلوبی کے ساتھ حل کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس تو وحی اور نبوت کی آنکھ تھی، آپ کو مشورے کی بظاہر ضرورت نہ تھی، لیکن یہ حکم اس لیے دیا گیا تاکہ امت یہ سیکھ لے کہ جب نبی ﷺ کو مشورے کی تاکید ہے تو عام مسلمانوں کے لیے یہ کتنا ضروری ہے۔

مشاورت میں متعلقہ شعبے کے ماہرین سے رجوع

ہمیں اپنے دین اور دنیا کے تمام معاملات میں مشورہ لینا چاہیے، جیسا کہ قرآنِ مجید کا حکم ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پس تم اہل علم سے پوچھ لیا کرو

اگر تم خود نہیں جانتے)۔ اگرچہ یہ حکم بنیادی طور پر دینی مسائل دریافت کرنے کے لیے ہے، لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اپنے دنیاوی اور دینی معاملات میں 'اہلِ بصیرت' سے رجوع کرنا چاہیے۔ مشورے کا سب سے پہلا اور بنیادی ادب یہ ہے کہ مشورہ اس شخص سے لیا جائے جو اس میدان کا اہل ہو، عقل مند ہو اور صاحبِ بصیرت ہو۔ اگر آپ کسی غیر متعلقہ شخص سے مشورہ کریں گے تو صحیح رہنمائی نہیں مل سکے گی۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی عالمِ دین سے یہ پوچھے کہ "مجھے رات کو نیند نہیں آتی، میں کیا کروں؟" تو یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ یہ مفتی سے پوچھنے کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اس کا تعلق اعصابی نظام یا نفسیات سے ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کے لیے کسی ماہرِ نفسیات یا 'نیورو' کے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے جو آپ کے اسٹریس یا ڈیپریشن کا علاج کر سکے۔ مشورے کا پہلا اصول یہی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ جس سے آپ مشورہ لے رہے ہیں، کیا وہ اس شعبے کا ماہر ہے بھی یا نہیں؟

اسی طرح اکثر لوگ ڈاکٹر سے پوچھتے ہیں کہ "کیا میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ لوں؟"

حالانکہ یہ ڈاکٹر کا کام نہیں ہے۔ ڈاکٹر سے آپ طبی سفارشات اور اپنی جسمانی حالت کی رپورٹ لے سکتے ہیں، لیکن شرعی حکم تو آپ کو مفتی ہی بتائے گا کہ آپ کے گھٹنوں یا صحت کی اس حالت میں نماز کا کیا طریقہ ہو گا۔ مشورے کا سب سے اہم ادب یہی ہے کہ متعلقہ میدان کے ماہر سے پوچھا جائے کہ مجھے یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ اگر آپ کسی غیر متعلقہ شخص سے پوچھیں گے تو وہ غلط جواب دے گا، جس سے آپ کو غلط رہنمائی ملے گی اور آپ اپنے مقصد میں ناکام ہو جائیں گے، حالانکہ یہ ناکامی مشورے کے آداب کی خلاف ورزی کی وجہ سے تھی۔

مشورے کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ جو جس میدان کا ماہر ہو، اسی سے رجوع کیا جائے۔ اگر آپ کو قانون کے حوالے سے کسی رہنمائی کی ضرورت ہو تو وکیل سے مشورہ کیجیے، اور اگر دین کا کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مفتیِ کرام سے رجوع کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر آپ کو گھر کے معاملات یا صفائی ستھرائی کے متعلق کوئی انتظام کرنا ہو، تو اپنے محلے کے ان صاحبِ بصیرت افراد سے معلومات لیں جو ان امور کو بہتر سمجھتے ہوں۔ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر معاملے میں اس کے متعلقہ ماہر کی رائے کو مقدم رکھا جائے۔

اپنے سے چھوٹوں سے مشورہ: ایک نبوی سنت

مشورے کے باب میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ مشورہ صرف اپنے سے بڑوں تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے سے چھوٹوں سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سامنے والا عمر یا مرتبے میں آپ سے بڑا ہی ہو؛ اگر آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی کم عمر فرد بھی معاملے کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے، تو اس کی رائے کو بھی توجہ سے سننا چاہیے۔ اس طرزِ عمل کا ثبوت ہمیں احادیثِ مبارکہ سے ملتا ہے۔ بخاری اور مسلم کی ایک طویل حدیث، جو حضرت مِسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس حوالے سے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے صلح کر لی، تو صحابہ کرامؓ سخت رنجیدہ تھے کیونکہ صلح کی بظاہر تمام شرائط مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آ رہی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کے لیے یہ صورتحال کافی تکلیف دہ تھی کیونکہ وہ عمرے کی نیت سے آئے تھے اور شرائط کے مطابق انہیں اس سال واپس جانا تھا۔ صلح نامہ طے ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا" (اٹھو، اپنے

جانور ذبح کرو اور سر منڈوالو)۔ لیکن غم اور صدمے کی کیفیت ایسی تھی کہ ایک صحابی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ حکم دیا، لیکن کوئی حرکت نہ ہوئی۔

صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے اشاروں پر جان چھڑکنے والے تھے، لیکن اس وقت ان کے نہ اٹھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس امید میں تھے کہ شاید وحی کے ذریعے یہ فیصلہ بدل جائے یا عمرے کی اجازت مل جائے۔ وہ اس صلح اور اس کی سخت شرائط کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر پا رہے تھے۔ جب کوئی صحابی کھڑا نہیں ہوا، تو آپ ﷺ رنجیدہ ہو کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے جہاں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "ام سلمہ! میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ قربانی کر کے حلق کرائیں، لیکن کوئی بات ہی نہیں مانتا"۔

حضور ﷺ کا حضرت ام سلمہؓ کی بصیرت انگیز رائے پر عمل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، جو فضیلت اور دانائی میں بلند مقام رکھتی تھیں، انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ صحابہ آپ کے حکم پر عمل کریں؟ تو آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، بس باہر تشریف لے جائیں اور اپنا جانور ذبح فرما کر حجام کو

بلائیں اور اپنا سر مبارک منڈوالیں"۔ آپ ﷺ نے ان کی اس بصیرت انگیز رائے پر عمل کیا۔ جب صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے خود عمل شروع کر دیا ہے، تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے، اپنے جانور ذبح کیے اور ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے۔

اس واقعے سے ہمیں یہ عظیم سبق ملتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اپنے سے چھوٹوں یا ماتحتوں سے بھی مشورہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ سے مشورہ کیا۔ ہمارے معاشرے میں اس بات کو عار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ باپ اپنے بیٹے سے، دادا اپنے پوتے سے یا کوئی بھی بڑا اپنے سے چھوٹی عمر کے شخص سے مشورہ کر سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

مشورہ اور حکم میں فرق

مشورے کے حوالے سے تیسری اہم بات یہ ہے کہ مشورہ دینے والے کی ہر بات پر عمل کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ بعض لوگ اس ڈر سے مشورہ نہیں لیتے کہ اگر سامنے والے کی بات پر عمل نہ کیا تو اسے برا لگے گا۔ یہ سوچ درست نہیں ہے؛ اگر کوئی مشورہ نہ ماننے پر برا محسوس کرتا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دین کے اس مزاج کو نہیں سمجھتا۔

مشورہ صرف ایک رائے ہوتی ہے، کوئی پابند حکم نہیں۔ اس بات کی دلیل بھی ہمیں بخاری شریف کی ایک روایت سے ملتی ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب لونڈی سے آزاد ہوئیں، تو شریعت کے اصول کے مطابق انہیں یہ اختیار ملا کہ وہ اپنے سابقہ شوہر، حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنا نکاح برقرار رکھیں یا اسے ختم کر دیں۔ انہوں نے نکاح ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت مغیثؓ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی جدائی پر روتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی حالت دیکھ کر حضرت بریرہؓ سے فرمایا: "لو راجعتيه" (کاش تم اس کے پاس واپس چلی جاتیں)۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: "يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتَأْمُرُنِي؟" (اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟) آپ ﷺ نے جواب دیا: "إِنَّمَا أَنَا شَافِعٌ" (میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں / مشورہ دے رہا ہوں)۔ انہوں نے عرض کیا: "لا حاجة لي فيه" (مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے)۔ چونکہ وہ آپ ﷺ کا مشورہ تھا، حکم نہیں، اس لیے حضرت بریرہؓ نے اسے قبول نہ کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا، آپ ﷺ ان کی اس بات پر ذرہ برابر بھی ناراض نہیں

ہوئے، بلکہ اسے ان کا حق قرار دیا۔

مشورے کا یہ تیسرا اہم ادب ہے کہ اگر کوئی آپ کو مشورہ دے رہا ہے، تو آپ پر اسے ماننا شرعاً لازم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ کسی کو مشورہ دے رہے ہیں، تو اپنے دل میں یہ توقع یا لالچ ہرگز نہ رکھیں کہ سامنے والا آپ کی بات ضرور مانے گا۔ اگر کوئی آپ کی رائے سے اختلاف کرے، تو آپ کو برا نہیں منانا چاہیے، کیونکہ مشورے کو رد کرنے پر ناراض نہ ہونا نبی کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے۔

استخارہ: ربِ کائنات سے خیر کی طلب

مشورے کے بعد اگلا اہم مرحلہ 'استخارہ' کا آتا ہے۔ استخارے کا اصل مطلب اللہ رب العزت سے 'خیر' اور بھلائی طلب کرنا ہے کہ "اے اللہ! میں یہ معاملہ کرنا چاہتا ہوں، آپ میرے لیے اس میں خیر کا پہلو واضح فرما دیں کہ آیا یہ کام میرے لیے بہتر ہے یا نہیں"۔ یہاں یہ نکتہ سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ مشورہ ہو یا استخارہ، یہ دونوں صرف 'جائز' کاموں میں ہوتے ہیں۔ گناہ کے کاموں میں استخارہ یا مشورہ کرنا قطعاً غلط ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص اپنی بہن سے تعلق ختم کرنے جیسا گناہ کا ارادہ کرے اور اس پر

استخارہ یا مشورہ کرے، تو یہ صریحاً نادانی ہے۔ اسی طرح جو کام اللہ نے 'فرض' قرار دیے ہیں، جیسے نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا، ان پر بھی استخارہ نہیں ہوتا۔ البتہ فرض کاموں میں 'وقت' کے تعین کے لیے استخارہ کیا جا سکتا ہے، جیسے حج فرض ہو چکا ہو تو یہ دعا کرنا کہ "اے اللہ! میں اس سال حج پر جاؤں یا اگلے سال؟ اس میں میرے لیے جو بہتر ہو وہ واضح فرما دیں"۔

جاہلانہ فال سے نبوی رہنمائی / استخارے تک

استخارہ کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی ایک سمت (Direction) متعین ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اہم کاموں کے لیے 'فال' نکالا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کا ایک مجاور ہوتا تھا جس کے پاس مختلف قسم کے تیر ہوتے تھے۔ ایک تیر پر لکھا ہوتا تھا: اَمَرَنِيْ رَبِّيْ (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے)، دوسرے پر لکھا ہوتا: نَهَانِيْ رَبِّيْ (میرے رب نے مجھے منع کر دیا ہے)، جبکہ تیسرا تیر سادہ ہوتا تھا۔ لوگ جب کسی سفر یا کام کا ارادہ کرتے تو وہاں جا کر تیر نکالتے اور جو تیر نکلتا اسی پر عمل کرتے۔ شریعتِ مطہرہ نے اس جاہلانہ اور مشرکانہ طریقے کو ختم کر کے ہمیں استخارے

کی صورت میں ایک پاکیزہ عمل عطا فرمایا۔ اب ہمیں کسی نجومی، عامل یا کسی بھی انسان کے پاس جا کر اپنی قسمت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ ایک مسلمان براہِ راست اپنے رب سے خیر طلب کر سکتا ہے۔

استخارہ خود کرنے کی اہمیت اور آداب

ہمارے معاشرے میں یہ غلط فہمی عام ہو گئی ہے کہ استخارہ کسی مفتی صاحب یا عالمِ دین سے کرایا جائے۔ شریعت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ استخارہ کسی دوسرے سے کرایا جائے؛ استخارہ ہمیشہ انسان کو خود کرنا چاہیے۔ اگر آپ استخارے کی مسنون دعا کے الفاظ اور اس کی گرامر پر غور کریں تو وہ سارے صیغے 'متکلم' کے ہیں، یعنی دعا کرنے والا خود کہہ رہا ہوتا ہے کہ "اے اللہ! میں آپ سے خیر طلب کرتا ہوں، میں آپ کی قدرت کا واسطہ دیتا ہوں، میرے لیے اسے مقدر کر دیں، مجھ سے اسے پھیر دیں"۔ جب پوری دعا ہی ذاتی نوعیت کی ہے تو پھر کسی اور سے استخارہ کرانے کا کیا مطلب؟۔ بہت سے لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ "ہم گنہگار ہیں، ہماری دعا کہاں قبول ہو گی"۔ یہ سوچ درست نہیں ہے؛ گنہگار تو ہر انسان ہے کیونکہ حدیثِ مبارکہ ہے: كُلُّ بَنِيْ آدَمَ

خَطَّاءٌ (تمام اولادِ آدم خطاکار ہیں)۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے کی دعا قبول فرماتا ہے بشرطیکہ وہ شرعی آداب کے ساتھ مانگی جائے۔ یہ تصور کہ صرف کسی خاص بزرگ کی دعا ہی قبول ہو گی، مسلمانوں کا نہیں بلکہ غیروں کا فلسفہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر ایمان والے کی دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ خود استخارہ کرنا چاہیے۔

اسلامی انفرادیت اور خود اعتمادی

اسلام کا فلسفہ دیگر مذاہب، جیسے یہودیت سے بالکل مختلف ہے، جہاں عبادت یا دعا کے لیے ہمیشہ اپنے بڑوں یا مذہبی پیشواؤں کے پاس جانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اسلام میں ہر بندے کا اپنے رب سے براہِ راست تعلق ہے اور کوئی بھی دینی عمل دوسرے پر منحصر (Dependent) نہیں ہے۔ استخارے کے معاملے میں بھی یہی اصول کارفرما ہے؛ چاہے بیٹی کے رشتے کا معاملہ ہو یا بھائی کی شادی کا، اس کے لیے امام صاحب، مولوی صاحب یا مفتی صاحب کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عمل ہر شخص کو خود کرنا چاہیے؛ بیٹا خود کرے، بیٹی خود کرے۔ اگر کسی کو اپنے گناہوں کا احساس ہو، تو وہ پہلے دو

رکعت 'صلاۃ التوبہ' پڑھ کر اللہ سے معافی مانگ لے: "اے اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف فرمادے"۔ توبہ کے بعد جب بندہ استخارہ کرتا ہے تو اللہ کی ذات یقیناً قبول کرنے والی اور معاف کرنے والی ہے۔

استخارہ کا وقت اور تعداد

استخارے کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ یہ کام شروع کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے، کام مکمل ہونے کے بعد نہیں۔ صحیح بخاری (حدیث نمبر 6382) اور جامع ترمذی (حدیث نمبر 480) میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ (جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے)۔ یعنی جب کسی معاملے کا پختہ ارادہ ہو رہا ہو، تب استخارہ کرنا چاہیے۔ استخارہ کتنی مرتبہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ، دو دفعہ یا اگر معاملہ واضح نہ ہو رہا ہو تو سات دفعہ تک بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ استخارہ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وہ براہِ راست اللہ سے خیر اور مشورہ طلب کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ استخارہ مستقبل کے کاموں کے لیے ہوتا ہے، ماضی کے لیے نہیں۔ مثلاً اگر کسی کا سامان چوری ہو گیا ہو تو وہ استخارہ نہیں کر سکتا کہ

"چور کون ہے؟" کیونکہ یہ غیب کے معاملات ہیں اور استخارہ چور پکڑنے کا ذریعہ نہیں ہے۔

خوابوں کی حقیقت اور استخارے کا مسنون طریقہ

استخارے کے نتیجے کے حوالے سے معاشرے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ استخارہ کر کے قبلہ رخ سو جائیں اور پھر خواب میں ہر ارنگ نظر آئے تو کام کی اجازت ہے اور اگر سرخ رنگ نظر آئے تو ممانعت ہے، یا کوئی بزرگ آکر خواب میں بتائیں گے۔ یہ تمام باتیں قرآن و سنت سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ استخارے کا اصل طریقہ وہ ہے جو بخاری اور مسلم کی احادیث میں بیان ہوا ہے کہ فرض کے علاوہ دو رکعت نفل نماز پڑھی جائے۔ ایک روایت کے مطابق پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد 'سورہ کافرون' اور دوسری رکعت میں 'سورہ اخلاص' پڑھنی چاہیے، اگرچہ یہ عام نفل کی طرح بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ نماز کے بعد اللہ کی حمد و ثناء بیان کریں، درود شریف پڑھیں اور پھر وہ مسنون دعا مانگیں جو آپ ﷺ نے سکھائی ہے۔

استخارہ کی مسنون دعا اور اس کا مفہوم

استخارہ کی دعا نہایت جامع ہے۔ دعا کے مسنون الفاظ یہ ہیں:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ.اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ (یہاں اپنی ضرورت یا کام کا تصور کرے) خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي (اَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ.وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي (اَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ.

اردو ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں، اور تیری قدرت کے ذریعے تجھ سے طاقت مانگتا ہوں، اور تیرے

عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں۔ بے شک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، اور تو تمام غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام (جس کے لیے استخارہ کر رہا ہوں) میرے دین، میری دنیا اور میرے انجام کے اعتبار سے بہتر ہے (یا فرمایا: میرے فوری اور آئندہ معاملے کے اعتبار سے بہتر ہے) تو اسے میرے لیے مقدر فرما، اسے میرے لیے آسان کر دے، پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین، میری دنیا اور میرے انجام کے اعتبار سے میرے لیے برا ہے (یا فرمایا: میرے فوری اور آئندہ معاملے کے اعتبار سے برا ہے) تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے بھی اس سے پھیر دے، اور میرے لیے خیر جہاں بھی ہو مقدر فرما، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دے۔

اس دعا میں جب اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ کے الفاظ آئیں، تو یہاں 'هَذَا الأَمْرَ' (اس معاملے) کو پڑھتے ہوئے دل میں اس خاص کام کا تصور کریں جس

کے لیے استخارہ کر رہے ہیں، مثلاً شادی، کاروبار یا ملازمت۔ اگر وہ کام آپ کے دین، دنیا اور انجامِ کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو دعا کریں کہ اللہ اسے مقدر کر دے اور اس میں برکت عطا فرمائے، اور اگر وہ برا ہے تو اللہ اسے آپ سے دور کر دے۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے جسے پڑھنے میں بمشکل ایک منٹ لگتا ہے، لیکن اس کے اثرات نہایت گہرے ہیں۔ استخارے کا اصل نتیجہ یہی ہے کہ اب جو بھی ہو گا، اس میں اللہ کی طرف سے آپ کے لیے بہتری ہی ہو گی۔

استخارہ کے بعد کی قلبی کیفیت اور رضائے الٰہی

استخارہ کرنے کے بعد ایک بندہ ذہنی طور پر آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہوتا ہے۔ اب اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا دل کس طرف مائل ہو رہا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلے دل نہیں چاہ رہا ہوتا، لیکن استخارے کی برکت سے حالات و اسباب سازگار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ نے اپنے بچے یا بچی کی شادی کے لیے استخارہ کیا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا رجحان نہ ہو، لیکن دعا کے بعد لوگوں کی

طرف سے اس رشتے کے بارے میں مثبت باتیں سامنے آنا شروع ہو جائیں۔ یہ دراصل اللہ کی طرف سے اسباب کا پیدا ہونا ہے۔

شرحِ صدر اور توقف کی حکمت

اگر استخارہ کرنے کے بعد دل میں اطمینان (شرحِ صدر) پیدا ہو جائے اور کام کے اسباب بھی بننے لگیں، تو اسے اللہ کی طرف سے بہتری کی علامت سمجھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔ لیکن اگر استخارے کے باوجود دل میں تذبذب رہے اور بات سمجھ میں نہ آ رہی ہو، تو ایسی صورت میں جلد بازی کے بجائے تھوڑا انتظار (توقف) کر لینا بہتر ہے۔ بعض اوقات انسان کسی کام کے لیے بہت بے چین ہوتا ہے لیکن وہ آخر وقت میں رک جاتا ہے، تو اس میں بھی اللہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی بہتری ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ استخارہ ایک ایسا عمل ہے جس میں کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے۔ اگر مسلسل تذبذب کی کیفیت رہے تو رک جانا ہی قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں وہی فیصلہ فرماتا ہے جو اس کے لیے سراسر خیر ہو۔

حقیقی خیر اور الٰہی دانش

اکثر اوقات انسان اپنی ناقص عقل کی بنا پر کسی چیز کو اپنے لیے بہت بہتر سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اسی طرح جسے وہ برا سمجھ کر اس سے دور بھاگتا ہے، وہی اس کے لیے خیر کا باعث بنتی ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس نفسیاتی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے سخت سردی میں ایک بیمار بچہ اپنے والدین سے ٹھنڈا پانی مانگے؛ والدین اس کی ضد پوری کرنے کے بجائے اسے کڑوی دوا پلاتے ہیں۔ بچہ اس وقت اپنے والدین کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، لیکن شعور آنے پر اسے احساس ہوتا ہے کہ

والدین نے اس کے ساتھ کتنی بڑی خیر خواہی کی تھی۔ بالکل اسی طرح جب اللہ تعالیٰ استخارے کے نتیجے میں بندے کی مرضی کے خلاف فیصلہ فرماتے ہیں، تو بندہ بظاہر اسے اپنی ناکامی سمجھتا ہے، حالانکہ اصل بہتری اسی میں ہوتی ہے جو اللہ نے طے کر دی ہوتی ہے۔

فوری ضرورت کے لیے مختصر استخارہ

اگر کبھی زندگی میں ایسی صورتحال پیدا ہو جائے کہ انسان کے پاس طویل استخارہ کرنے یا نفل نماز پڑھنے کا وقت نہ ہو اور اسے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا ہو، تو احادیثِ مبارکہ میں اس کے لیے مختصر دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ ایسی حالت میں ان میں سے کوئی بھی دعا تین مرتبہ پڑھ کر کام شروع کر لینا چاہیے۔ ایک مختصر دعا یہ ہے: اللَّهُمَّ خِرْ لِي وَاخْتَرْ لِي (اے اللہ! میرے لیے خیر کا انتخاب فرما اور مجھے پسند فرما لے)۔ اسی طرح ایک اور نبوی دعا ہے: اللَّهُمَّ اهْدِنِي وَسَدِّدْنِي (اے اللہ! مجھے ہدایت دے اور مجھے سیدھی راہ پر قائم رکھ)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي

رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي (اے اللہ! میرے دل میں ہدایت ڈال دے اور مجھے میرے نفس کے شر سے پناہ دے)۔ یہ مختصر کلمات انسان کو اچانک آنے والی پریشانیوں میں الٰہی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

کامیاب زندگی کے دو ستون: استخارہ اور مشورہ

ایک مسلمان کی زندگی میں دو چیزیں نہایت کلیدی اہمیت کی حامل ہیں: پہلا 'استخارہ' اور دوسرا 'استشارہ' یعنی مشورہ۔ جو شخص اپنے تمام اہم معاملات اور زندگی کے سنگِ میل عبور کرنے کے لیے ان دو اصولوں کو اپنا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی زندگی میں عافیت، برکت اور خیر شاملِ حال کر دی جاتی ہے۔ مشورے سے انسان دوسروں کے تجربات اور عقل سے فائدہ اٹھاتا ہے، جبکہ استخارے کے ذریعے وہ اللہ کی بے پایاں رحمت اور قدرت کو اپنے معاملات میں شامل کر لیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔